مجروح بحیثیت ترقی پسند شاعر

قاضی مہہ جبین فاروقی

(اسٹینٹ
پروفیسر شعبہ اُردو)
آرٹس اینڈ
کامرس مہیلہ کالج
امبہ
جوگائی9271511577
quazimahjabeenfarooqui@gmail.com

فنون لطیفہ میں شاعر ی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔اور شاعری کا سب سے خوبصورت اظہار "غزل" ہے۔ساری دنیا کی شاعری میں فارسی اور اردو کے علاوہ کسی بھی زبان کی شاعری میں غزل کا وجود نہیں ہے۔غزل اپنے آپ میں بے پناہ وسعتیں رکھتی ہے۔ ایجاز و اختصار رمزیت و اشاریت غزل کا وہ قابل رشک سرمایہ ہے جو کسی بھی صنف سخن کے حصے میں نہیں آیا ۔بڑے سے بڑا مضمون غزل کے دو مصرعوں میں اس طرح سما جاتا ہے کہ دریا کوزے میں نظر آتا ہے۔ غزل میں قافیہ،ردیف،بحر،و زن،استعارہ ، تشبیہ، کنائیہ، ترسیل و ابلاغ مبالغہ آرائی جس نوعیت کی ہوتی ہے اس کی مثال کہیں اور کسی اور صنف میں نظر نہیں آتی۔غزل کی ہیّت پر شدید قسم کے اعترافات کیے گئے اور کہا گیا کہ غزل موضوع کے اعتبار سے بہت ہی تنگ دامن صنف سخن ہے۔ موجودہ دور میں اُردو غزل اتنی ہی مقبول ہے جتنی قدیم زمانے میں تھی ۔بلکہ آج تو اردو غزل ساری دنیا میں پسند کی جانے والی صنف سخن ہے۔اور غزل کے سنگر ساری دنیا میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔اس صنف ادب کی مقبولیت پر ایک دنیا کو حیرت ہے۔ اردو کے نقادوں نے اردو غزل کے خلاف بہت کچھ لکھا۔مولانا حالی نے اُردو غزل کی گردن اُڑانے کا حکم صادر کیا۔"تو کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی" صنفِ سخن کہا۔کسی نے غزل میں پائے جانے والے انتشار کو اپنی ملامت کا نشانہ بنایا تو کسی نے اس کے اشعار کی بے ربطی پر شدید تنقید کی، لیکن غزل کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔غزل کی شاعری اپنی مخصوص پہچان رکھتی ہے۔

ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ۱۹۳۶ء سے ہوا ۔اس ادبی تحریک کا قیام ہی اس مقصد کی تکمیل کے لیے لایا گیا تھا کہ ادب کے ذریعہ سماج میں ایک انقلاب لایا جائے ۔عام انسانوں کے شعور کو بیدار کیا جائے ۔سماج میں پائی جانے والی فرسودہ رسومات کو ختم کیا جائے ۔ معاشرے میں موجود اونچ نیچ اور ذات پات کے تصور کا خاتمہ کیا جائے ،ہر انسان کو مساوی حقوق اور درجہ دلایا جائے ۔اس تحریک کے علمبرداروں نے خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی طرح غزل کی مخالفت کی اوراس تحریک سے وابستہ نقادوں نے بھی غزل کی گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کیا۔لیکن غزل بڑی جاندار صنفِ سخن ہے جب اس تحریک کے لوگ غزل کی مخالفت میں مصروف تھے،اسی وقت داغؔ،امیر مینائی ، علامہ اقبالؔ،فانی بد ایوانی، اصغرؔ،جگر مراد آبادی ،یگانہ وغیرہ جیسے شعراء غزل کی مقبولیت میں چار چاند لگانے میں مصروف تھے ۔ اور ان شعراء کی وجہ سے غزل اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ زندہ تھی بلکہ ہر خاص و عام کے دل میں اپنی جگہ بنائی ہوئی تھی۔

ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء میں معین احسن جذبی ،جانثار اختر یہ شعرا غزل کے شیدائی تھے۔ جذبی بطور خاص غزل کے بے مثال شاعر تھے۔یہ تحریک ان کی غزل گوئی کو ختم نہیں کر پائی۔ پھر اسی تحریک سے وابستہ نوجوان شعراء میں اسرارالحق مجاز،مجروح سلطان پوری ،جیسے شاعر آئے جنھوں نے غزل گوئی کو اختیار کیا۔فیض احمد فیض ان دونوں سے سینئر تھے ،لیکن اُنھوں نے ایک نظم گو شاعر کی حیثیت سے اپنے آپ کو منوالیا تھا۔

مجروح سلطان پوری نے ۱۹۳۰ کے آس پاس شاعری کا آغاز کیا ۔ اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں مجروحؔ نے کچھ گیت لکھے تھے۔جنھیں وہ شاعروں کو اکثر سنایا کرتے تھے۔انھوں نے طب کا کورس مکمل کیا تھا۔ اور اسی کورس کی تکمیل کے دوران انہوں نے شاعری شروع کردی تھی۔ ان کے علاقے کے ایک بزرگ شاعر نے ان کے کلام کی اصلاح بھی کی تھی۔ مجروح بنیادی طور پر فطری شاعر تھے ۔اور شعر کہنے کی بے پناہ صلاحیت ان میں موجود تھی۔ ان کے ابتدائی دور کے گیتوں اور نظموں کو عوام نے بہت پسند کیا ۔پھر مجروحؔ نے غزل کی طرف توجہ کی۔ ان کی ابتدائی غزلوں کو بہت پسند کیا گیا۔مجروحؔ کی ابتدائی غزلوں کو دیکھ کر پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ان کی شاعری کو نہ صرف سراہایا بلکہ ان کو علی گڑھ بلوایا اور اپنے پاس بطور مہمان رکھ لیا۔شعر ملاحظہ ہو۔

ہمیں شعور جنوں ہے کہ جس چمن میں رہے
بہار بن کے حسینوں کی انجمن میں رہے

علی گڑھ میں رشید احمد صدیقی کے مکان پر اس وقت کے تمام بڑے شعراء آیا جایا کرتے تھے۔ ان شعرا ءمیں فانی بد ایوانی،جوش جگر، فراق،وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس گھر میں شعر خوانی بھی ہوتی تھی۔ اور پروفیسر رشید

احمد صدیقی ان بڑے شعرا ءکی موجودگی میں مجروح کو بھی کلام سنانے کے لیے کہتے تھے۔ اس طرح مجروح کا تعلق ہندوستان کے عظیم غزل گو شعراء سے قائم ہوا۔جگر مراد آبادی کو مجروح کی غزل گوئی بہت پسند آئی۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جگر مرادابادی نے مجروح کو بمبئی آنے کی دعوت دی مجروح بمبئی چلے گئے۔ بمبئی کے مشاعروں میں انھیں بہت پسند کیا جانے لگا۔مجروح کی خوبی یہ تھی کہ ان کے کلام میں بلا کی تازگی اور رچاؤ تھا اسی کے ساتھ ساتھ ان کا ترنم بھی نہایت دلنشین تھا ۔بہت کم عرصے میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کرلی ایک مشاعرے میں ایک فلمی ڈائرکٹر نے ان کے کلام کو سنا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کی فلم کے لیے گیت لکھے۔اس فلم کا نام تھا شاہ جہاں اس کے سنگیت کا ر نوشاد اور گلوکار سہگل یہ ٹیم اس عہد کی سب سے بڑی ٹیم تھی۔اس ٹیم میں مجروح کو بطور گیت کار جگہ حاصل ہوئی تھی یہ ان کی بڑی خوش قسمتی تھی چنانچہ وہ اپنی پہلی فلم سے ہی ہندوستان کے ایک بڑے گیت کار بن گئے۔اور گیت کار بننے کے بعد ان کی شہرت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔اتنی شہرت ملنے کے باوجود مجروح نے اپنے تخلیقی سفر میں کبھی کوئی کمی نہیں لائی۔اسی وجہ سے اُردو شاعری کی دُنیا میں انہوں نے اپنا ایک منفرد مقام بنالیا۔

مجروحؔ سلطان پوری کی انفرادیت یہ ھیکہ اُنہوں نے غزل دشمنی کے دور میں بھی غزل کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑا ۔ترقی پسندوں نے غزل گوئی کی نکتہ چینی کی سردار جعفری نے مجروح کا کئی بار مذاق بھی اُڑایا۔دوسرے تنقید نگاروں نے مجروح پر سخت نکتہ چینی کی،لیکن وہ غزل کے گیسو سنوارنے میں مصروف رہے۔اور آج ہم جیسے ترقی پسند غزل کہتے ہیں اُس غزل کے بانیوں کی فہرست میں مجروح سُلطان پوری کا نام سر فہرست آتا ہے۔

مجروح نے یہ دعویٰ کیا ھیکہ ترقی پسند غزل کے وہ بانی ہیں۔ اس دعوے پر بڑے اعتراضات بھی ہوئے لیکن یہ ایک حقیقت ھیکہ مجروح شروع سے ہی غزل گو شاعر رہے اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کے بعد بھی اُنہوں نے اپنے ترقی پسند خیالات کو غزل کے پیمانے میں دھالنے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی غزل قدیم روایات کی امین بھی ہے اور جدّت کی ترجمان بھی ان کی غزل میں تغزل بھی ہے اور عصری آگہی بھی،اسی وجہ سے خان عبدالغفار خان جیسے محقق نے مجروح سلطان پوری کی غزل گوئی کو پسند کیا اسکی تعریف کی اور یہ کہا کہ "مجروح شاعری کے آتش کدے میں ایک ایسی چنگاری کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی چمک آنکھوں کو ہیرا کردیتی ہے۔"

مجروح نے بہت کم لکھا۔ان کا ایک ہی مجموعہ کلام شائع ہوا۔ جس کا نام "غزل" ہے ۔ جو بعد میں مشعل راہ کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں مشکل سے ۸۰/۹۰ غزلیں ہیں۔ اس کا پیش لفظ مشہور و معروف تنقید نگار محمد حسن نے لکھا۔ ان کا یہ کہنا ھیکہ مجروح نے غزل کی پرانی بوتل میں تغزل کی نئی شراب بھر دی ہے۔ اُردو زبان کے پرانے اشعارکو نئے مفہوم میں استعمال کرکے مجروح نے یہ ثابت کردیا ھیکہ ہم غزلوں کے پرانے لفظوں کی مدد سے بھی اپنے نئے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

فراز دار پہ رکھتے چلو سرو کے چراغ
جہاں تلک ستم کی یہ سیاہ رات چلے

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں وہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے
تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

بے تشنہ نظر نہ چلو راہِ رفتگاں
ہرنقش پا بلند ہے دیوار کی طرح

جہاں میں ہم نے نہ بدلی کبھی وضع خرام
گری کلہا ہم اپنے ہی بانکپن میں رہے

روک سکتا ہمیں زندانِ بلا کیا مجروحؔ
ہم تو آواز ہیں دیوار سے چھن جاتے ہیں

مجروح سلطان پوری اُردو کے ایک عظیم شاعر ہیں ۔انھوں نے غزل کے آداب کو پوری طرح برتا اور نئی نئی کیفیات کو غزل میں داخل کردیا ان کے اسی لب و لہجہ کو تغزل کا مستند لب و لہجہ قرار دیا جاتا ہے۔ مجروحؔ کو غزل گوئی پر کافی عبور حاصل تھا لیکن جیسا کہ ہم سبھی جانتے ہیں کے فلمی دنیا میں وہ فلمی گیت لکھتے رہے جس وجہ سے نہ صرف مجروحؔ کا نقصان ہوا بلکہ اردو غزل کی دنیا کا بھی کافی نقصان ہوا اگر مجروح صرف غزلیں کہتے رہتے تو اردو کے ممتاز غزل گو ہوتے لیکن مجروح کا عہد ہندوستان ہی کا نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی بڑے انتشار کا عہد تھا ۔ایک بہتر سماج کی تشکیل کا تصور نوجوانوں کے دلوں میں محفوظ تھا۔

ماحصل

مجروح سلطان پوری کا دور بڑے انتشارکا دور تھا ۔عالمی سطح پر ایک حلقہ ترقی پسندی کی طرف مائل ہو رہا تھا ترقی پسندی کا تصور ان فرسودہ اقدار کے خلاف تھا جن سے انسانیت کئی داخلی اور خارجی مسائل سے دو چار تھی۔ ان میں وہ اخلاقی اقدار بھی تھیں جن کا مرتبہ تہذیبی زندگی میں کافی بلند خیال کیا جاتا ہے۔ مجروح اپنی زندگی میں ہی خود ایک اچھے اور مختلف شاعر کی حیثیت سے منوا چکے تھے ۔ان کی اہمیت کے سبھی قائل تھے۔ مجروح ہمیشہ ایک ایسی صبح کی تمنا میں زندہ رہے جو غموں کے خاتمے کی صبح ہو جس کے بعد کسی کو زندگی سے کوئی شکایت نہ ہو ۔وہ محبت کی صبح ،ہو کامرانی کی صبح ہو،شادمانی کی صبح ہو،غربت و افلاس کے خاتمے کی صبح ہو ان کا خیال تھا کہ وہ یا ان کی نسل اس پریشانی کو جھیلنے والی آخری نسل ہوگی ۔اور اب ان کے بعد کوئی شامِ غریباں نہیں آئے گی ۔اسی آرزو کی تصویر ان کی پوری شاعری ہے،جسےوہ آنے والی نسلوں کے سپرد کر گئے۔

شعر ملاحظہ ہو۔ دیکھ زنداں سے پرے رنگ چمن جوش بہار

رقص کرنا ہے تو پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ
سر پر ہوائے ظلم چلے سو جتن کے ساتھ
اپنی کلاہ کج ہے اُسی بانکپن کے ساتھ

مجروحسلطان پوری کے بارے میں علی سردار جعفری کاقول ہے ۔

"مجروح نے اپنی خوشیوں کو سماجی زندگی کی خوشیوں میں اور اپنے غموں کو سماجی زندگی کے غموں میں ملا دیا اور پھر اس سمندر سے اپنی شاعری کے جامبھرے ہیں۔ یہی وجہہے کہ مجروح کا ہرشعر بہ یک وقت ان کے اپنے دل کی آواز بھی ہے اور زمانہ کی دل کی دھڑکن بھی ہر اچھی شاعری کے لیے ضروری ہے کہ اس میں سب کی بات نکلتی ہو لیکن انداز شاعری کا ہو۔ یہی وہ انفرادیت اوراجتماعیت جو شاعر کو عظمت بخشتی ہے۔"

مجروح کی زبان سے ان کی غزلوں سے تحریک بول رہی تھی کہ اور بڑے وقار و شکوہ سے بول رہی تھی ۔مجروح نے اردو زبان و ادب اور اردو شاعری کی گراں قدر خدمات انجام دی جسے اردو داں طبقہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔